۲۳۔ اس نقطۂ نظر کے قائل علماء کی فہرست طویل ہے۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ کیجیے: مجلۃ الفقہ الاسلامی، ج ۲، ص ۱۱۵۶، حکم التجنس بجنسیۃ دولۃ غیر اسلامیۃ، ص ۱۱۳

۲۴۔ فتاوی اللجنۃ الدائمۃ للبحوث والافتائ، ج ۱۲، ص ۵۸

۲۵۔ فتویٰ نمبر ۸۸۹، ۲۰۰۰ء

۲۶۔ ویب سائٹ پر ان کا فتویٰ موجود ہے، (www.qardawi.net)

۲۷۔ فقہ الاقلیات المسلمۃ، ص ۶۰۹

۲۸۔ بحوث فی قضایا فقہیۃ معاصرۃ، ص ۳۲۰

۲۹۔ فتاویٰ محمد رشید رضا مصری، ج ۵، ص ۱۷۵۵

۳۰۔ احکام القرآن للجصاص، ج ۳، ص ۸۱۸

۳۱۔ ترمذی، کتاب السیر، ۱۶۵۴

۳۲۔ قواعد الفقہ لعمیم الاحسان المجددی البرکتی، دار النشر، ج ۱، ص ۲۳، وکذا فی الفروق للقرافی ؒ (م ۶۸۴ئ)، دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱۹۹۸ئ، ج ۳، ص ۶۸

۳۳۔ الاشباہ والنظائر لابن نجیم ؒ، ج ۱، ص ۱۱۱

۳۴۔ الاشباہ والنظائر لابن نجیم ؒ، ج ۱، ص ۸۸، الاشباہ والنظائر للسیوطی ؒ، ص ۸۷

۳۵۔ الاشباہ والنظائر، ص ۹۱

۳۶۔ قواعد الفقہ لعمیم الاحسان، دار النشر، ج ۱، ص ۱۹، فواتح الرحموت بشرح مسلم الثبوت، ج ۱، ص ۴۳، الفروق للقرافی ؒ، ج ۷، ص ۳۸۳

۳۷۔ الاشباہ والنظائر لابن نجیم، دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱۹۸۰ئ، ص ۸۸، الاشباہ والنظائر للسیوطی، دار الکتب العلمیۃ بیروت، ص ۸۷، درر الحکام شرح مجلۃ الاحکام، ج ۱، ص ۴۱، مادۃ ۲۸

۳۸۔ المبسوط للسرخسی، ج ۱۰، ص ۸۸، احکام القرآن لابن العربی، ج ۱، ص ۵۱۵، الجامع لاحکام القرآن للقرطبی، ج ۵، ص ۳۵۱، کشاف القناع للبہوتی، ج ۳، ص ۱۳۱

۳۹۔ سنن ابوداؤد، باب الاقامۃ بارض الشرک، ۲۷۸۹

۴۰۔ معالم السنن للخطابی، کتاب الجہاد، باب علیٰ ما یقاتل المشرکون، المطبعۃ العلمیۃ، حلب

۱۹۳۳ئ، ج ۲، ص ۲۷۲۔

۴۱۔ احکام القرآن لابن العربی، ج۱، ص۴۸۶، الجامع لاحکام القرآن للقرطبی، ج۵، ص۳۵۱

۴۲۔ المبسوط للسرخسی، ج۱۰، ص۸۸

۴۳۔ البیان والتحصیل لابن رشد، دارالمغرب الاسلامی، بیروت، ۱۹۸۴ئ، ج۴، ص۱۷۱، ملحق المدونۃ الکبریٰ، دارالکتب العلمیۃ، ج ۵، ص ۴۶۶، بیروت ۱۹۹۴ئ، المحلی لابن حزم، ج۱۱، ص۳۴۹

۴۴۔ المغنی لابن قدامۃ، ج۱۰، ص۵۰۷

۴۵۔ فتح الباری شرح صحیح البخاری لابن حجر، دارالفکر بیروت، ج۷، ص۱۹۱

۴۶۔ البدائع للکاسانی، ج۷، ص۱۱۱، ابن عابدین، ج۳، ص۲۷۵، الاموال لابی عبید، ص۸۷، الاحکام السلطانیۃ للماوردی، ص۱۴۵

۴۷۔ الاحکام السلطانیۃ للماوردی، ص۱۴۵

۴۸۔ فتح القدیر والعنایۃ علی الھدایۃ، ج۵، ص۲۱۳۔۲۱۴

۴۹۔ ابن عابدین، ج۳، ص۲۷۵، الماوردی، ص۱۶۷، احکام اہل الذمۃ لابن القیم، ج۱، ص۱۷۶۔۱۸۶

۵۰۔ صحیح مسلم، باب اخراج الیہود والنصاریٰ من جزیرۃ العرب، ۴۶۹۳، ترمذی، ۱۶۰۶

۵۱۔ مسند احمد، طبع المیمنیۃ، ج۶، ص۲۷۵، مجمع الزوائد للہیثمی، طبع القدسی، ج۵، ص۳۲۵، الاموال لابی عبید، دارالفکر ۱۳۹۵ھ، ص۱۲۸

۵۲۔ معجم البلدان لیاقوت الحموی، (م ۶۲۶ھ) جزیرۃ العرب، ج۱، ص۴۹۵

۵۳۔ فتح القدیر لابن ہمام، ج۴، ص۳۷۹، حاشیۃ ابن عابدینؒ، ج۳، ص۲۷۵

۵۴۔ الحطاب، ج۳، ص۳۸۱، بحوالہ موسوعۃ أرض العرب

۵۵۔ احکام اہل الذمۃ لابن القیم، ج۱، ص۱۷۶

۵۶۔ الوجیز للغزالی، ج۲، ص۱۹۹، بحوالہ الموسوعۃ الفقہیۃ، ج۳، ص۱۲۹

☆☆☆

سرکاری مناصب و ذرائع کا استعمال
تعلیماتِ نبوی ﷺ کی روشنی میں

جناب عبدالمہیمن

رسولِ خدا حضرت محمد ﷺ نے معاشرے کو مثالی بنانے کے لیے بہت سے اقدامات کیے۔ اُن میں سے ایک سرکاری مناصب کا قیام اور ان پر عمّال کی تعیناتی تھا۔ ان مناصب میں سے کچھ مکہ میں پہلے سے موجود تھے۔ آپؐ نے ان کو قائم رکھا اور بعض نئے مناصب کا اضافہ کیا۔ ہجرتِ مدینہ کے بعد مدینہ کے داخلی نظم ونسق کو قائم رکھنے کے لیے آپؐ نے کچھ شعبے قائم کیے اور ان میں عمّال متعین کیے۔ آپؐ نے جو شعبے قائم کیے ان میں دستاویزات، احتساب، داخلہ، خارجہ، مالیات، عساکر، تعلیم، معیشت اور مذہبی امور نمایاں تھے۔[۱]

مدینہ میں نبی کریم ﷺ کے ذریعے قائم کردہ شہری ریاست میں گورنر، وزرائ، امرائ، سفیر، سیکرٹری اور دیگر عہدے دار شامل تھے۔ آپؐ کے عمّال اور ان کو دیے گئے کاموں کی تفصیل بتاتے ہوئے علامہ شبلیؒ لکھتے ہیں کہ ''آپؐ ساٹھ سال کی عمر میں بھی حکومت کے تمام کام خود انجام دیتے تھے: ولاۃ اور عمال کا تقرر، مؤذنین اور ائمہ کی تعیین، محصلینِ زکوٰۃ وجزیہ کی نام زدگی، غیر قوموں سے مصالحت، مسلمان قبائل میں جائیدادوں کی تقسیم، فوجوں کی آراستگی، مقدمات کا فیصلہ، قبائل کی خانہ جنگیوں کا انسداد، وفود کے لیے تعیینِ وظائف، اجرائے فرامین، نومسلموں کے انتظامات، مسائل شرعیہ میں افتائ، جرائم کے لیے اجرائے تعزیر، ملک کے بڑے بڑے سیاسی انتظامات، عہدے داروں کی خبر گیری اور احتساب۔ دور کے صوبوں میں متعدد صحابہ گورنر بنا کر بھیج دیے

گئے تھے، لیکن مدینہ اور اطرافِ مدینہ کے فرائض آپؐ خود انجام دیتے تھے۔ ۲؎

ابن قیّم الجوزیہؒ کے مطابق نبی کریم ﷺ نے متعدد عمّال متعین کیے اور ان کو مختلف ذمہ داریاں دیں۔ اس کی تفصیل وہ یوں بیان کرتے ہیں کہ ''آپؐ نے متعدد عمّال سے کام لیا۔ باذان بن ساسان کسریٰ کی طرف سے یمن کے گورنر تھے۔ اسلام لے آئے تو آپؐ نے انہیں اپنے عہدے پر برقرار رکھا۔ باذان سب سے پہلے مسلمان ہیں، جو گورنر بنائے گئے۔ ان کے انتقال پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے بیٹے کو صنعاء کا گورنر مقرر کیا اور جب وہ شہید ہو گئے تو خالد بن سعید بن العاصؓ کو روانہ فرمایا۔ مہاجر بن ابی امیہ المخزومیؓ کو کندہ اور صدف کا حاکم مقرر کیا، زیاد بن امیہ انصاریؓ کو حضر موت، ابو موسیٰ اشعریؓ کو زبید، عدن، زمع اور ساحل، ابو سفیان صخر بن حربؓ کو نجران، ان کے بیٹے یزیدؓ کو تیما، عتابؓ بن اسید کو مکہ اور موسمِ حج کا حاکم مقرر کیا، حالاں کہ اس وقت ان کی عمر صرف بیس سال تھی۔ حضرت علیؓ کو یمن کے خمس کی تحصیل اور منصبِ قضا پر مقرر کیا، عمرو بن العاصؓ کو عمان کی حکومت سپرد کی۔ اس کے علاوہ متعدد صحابہ کو صدقات اور زکوٰۃ وصول کرنے پر متعین کیا۔ ۳؎

مدینہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن صحابہ کرامؓ کو وہی عہدے دیے جو مکہ مکرمہ میں ان کے خاندانوں کو حاصل تھے۔ ابو بکر صدیقؓ کے خاندان میں عدالتی ذمہ داری تھی اور عمرِ فاروقؓ کے خاندان میں سفارت کا عہدہ تھا۔ ۴؎ آپؐ کی قائم کردہ ریاست میں وزراء بھی ہوتے تھے، جن کے ذمے مختلف ذمہ داریاں کی جاتی تھیں۔ مثال کے طور پر ابو بکر صدیقؓ کی حیثیت وزیرِ اوّل کی سی تھی۔ امام حاکم نے اس بارے میں یہ روایت نقل کی ہے:

کان أبو بکر الصدیق من النبی ﷺ مکان الوزیر فکان یشاوره فیجمیع الأمور ولم یکن رسول الله ﷺ یقدّم علیه أحداً۔ ۵؎

ابو بکر صدیقؓ کا درجہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاں وزیر کا تھا، آپؐ ان سے تمام امور میں مشورہ کرتے تھے اور کسی کو بھی ان پر ترجیح نہیں دیتے تھے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مختلف مواقع پر اور مختلف اغراض سے عمّال مقرر

فرمائے۔ اس کی تفصیل بتاتے ہوئے مولانا عبدالرؤف داناپوریؒ لکھتے ہیں کہ ''جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم طائف سے مدینہ واپس آئے اور ۹ھ شروع ہوا تو اعراب سے صدقات وصول کرنے کے لیے آپؐ نے آدمی بھیجے: عیینہ بن حصنؓ کو بنی تمیم کی طرف، یزید بن الحصینؓ کو اسلم اور غفار کی طرف، عباد بن بشر الاشہلیؓ کو سلیم اور مزینہ کی طرف، رافع بن مکیثؓ کو جہینہ کی طرف، عمرو بن العاصؓ کو بنو فزارہ کی طرف، ضحاک بن سفیانؓ کو بنو کلاب کی طرف، بشیر بن سفیانؓ کو بنو کعب کی طرف اور ابن اللتبیۃ الازدیؓ کو بنو کلاب کی طرف۔ آپؐ نے سب کو تاکید کر دی تھی کہ لوگوں کے بہترین اور مرغوب اموال صدقہ میں نہ لیے جائیں، چنانچہ جب ابن اللتبیۃ الازدیؓ واپس آئے تو ان سے اس بارے میں محاسبہ کیا گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابن ابی امیہؓ کو صنعائ، زیاد بن لبید انصاریؓ کو حضر موت، عدی بن حاتمؓ کو قبیلہ طی اور بنو اسد، مالک بن نویرہؓ کو بنو حنظلہ، علاء بن الحضرمیؓ کو بحرین اور حضرت علیؓ کو نجران کی طرف بھیجا، تاکہ صدقہ جمع کریں اور جزیہ وصول کریں۔ یہ سب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے امراء اور عاملین تھے۔[۶]

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی انتظامیہ کے حوالے سے ڈاکٹر محمد حمیداللہ لکھتے ہیں کہ ''دارالحکومت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود نظام ونسق کی نگرانی کرتے تھے، مثلاً خط وکتابت اور قرآن کو، جو وحی کی شکل میں نازل ہو رہا تھا، تحریری شکل میں محفوظ کرنے کے لیے سیکرٹری مقرر تھے، آپؐ اس ضمن میں اکابر صحابہؓ سے مشورے کا اہتمام بھی فرماتے۔ صوبوں میں آپؐ نے گورنر مقرر فرمائے، جن کی سرگرمیوں اور کارکردگی کی آپؐ نگرانی کرتے۔ شہروں کی آبادکاری کے حوالے سے آپؐ کی ہدایت خاص طور پہ قابلِ ذکر ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ شہر کی گلیاں اتنی کھلی رکھو کہ دو اونٹ اپنے ساز وسامان سمیت آسانی سے ایک دوسرے کے پاس سے گزر جائیں۔ بازاروں کو بڑی اہمیت دی جاتی اور آپؐ خود ان کا معاینہ فرماتے اور دھوکہ دہی کی روک تھام کرتے۔ بازار کے معاینے کے لیے انسپکٹر بھی مقرر تھے۔ مال ذخیرہ کرنے اور کاروبار میں غلط بیانی کی سخت ممانعت تھی اور سزا بھی دی جاتی تھی۔ درآمدی سامان پر ڈیوٹی عائد کی جاتی تھی''۔[۷] انھوں

نے مزید لکھا ہے کہ ''جب مدینہ کی آبادی بڑھی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مزید عمّال مقرر کیے اور اسی حوالے سے خاتون انسپکٹر کی تعیناتی کا بھی ذکر ملتا ہے۔ مدینہ منورہ کی آبادی میں اضافہ ہونے کی وجہ سے نئی منڈیوں کا قیام اور ان کی نگرانی اور نگہبانی کا مستقل انتظام وقت کی ضرورت تھی، چنانچہ ایک تعلیم یافتہ خاتون حضرت شفاء بنت عبداللہؓ کو مارکیٹ کی کچھ ذمہ داریاں سونپی گئیں۔ چوں کہ ان کے عہدے کا صحیح پتا نہیں لگ سکا، اس لیے قیاس کیا جاسکتا ہے کہ انہیں مارکیٹوں کی انسپکٹر جنرل یا تاجروں پر کسٹم ڈیوٹی کی کلکٹر یا کم ازکم تاجر خواتین پر انسپکٹر مقرر کیا گیا تھا'' ۔٨ے

سرکاری مناصب اور تعلیماتِ نبوی

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات زندگی کے ہر شعبے میں انسانوں کو عملی ہدایات فراہم کرتی ہیں۔ یہی معاملہ سرکاری مناصب کا بھی ہے۔آپؐ کے کچھ ارشادات تو عمومی نوعیت کے ہیں، جن میں دیگر افراد کے ساتھ سرکاری مناصب کے حامل لوگوں کے لیے بھی رہ نمائی موجود ہے، جب کہ کئی ایک مواقع پر آپؐ نے براہ راست سرکاری ملازمین کو مخاطب کر کے ان کی رہ نمائی فرمائی ہے۔مثال کے طور پر یہاں آپؐ کے چند ارشادات نقل کیے جاتے ہیں:

اخوت و بھائی چارہ

اسلام کی عمومی تعلیمات میں اخوت اور بھائی چارے کو غیر معمولی اہمیت حاصل ہے۔سرکاری مناصب اور سرکاری اہل کاروں کی ذمہ داریوں کے پس منظر میں اس کی مزید اہمیت واضح ہوتی ہے۔ ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے:

المسلم أخو المسلم لایظلمه ولا یسلمه ومن کان فی حاجة أخیه کان الله فی حاجته ومن فرّج عن مسلمٍ

مسلمان مسلمان کا بھائی ہے، نہ اُس پر ظلم کرتا ہے اور نہ اُسے کسی کے حوالے کرتا ہے۔ جو شخص اپنے بھائی کی کسی حاجت کو پورا کرے گا،

کربۃً فرّج اللہ عنہ کربۃً من کرباتِ یوم القیامۃِ ومن ستر مسلماً سترہُ اللہُ یوم القیامۃ۔۹؎

اللہ اِس کی حاجت پوری کرے گا اور جو شخص کسی مسلمان کو کسی مصیبت سے نکالے گا، اللہ اسے روزِ قیامت کی مصیبتوں میں سے کسی مصیبت سے نکال دے گا، اور جو شخص کسی مسلمان کی پردہ پوشی کرے گا، اللہ قیامت کے دن اس کی پردہ پوشی کرے گا۔

اس حدیث میں نبی کریم ﷺ کے ارشاد کے مطابق سرکاری ملازمین کے لیے بڑی واضح رہ نمائی موجود ہے۔ ان کا کام ہی یہ ہے کہ وہ عوام کی حاجتوں کو پورا کریں، ان پر ظلم نہ کریں، انھیں بے جا پریشان نہ کریں، ان کا استحصال نہ کریں، انہیں غلط ہاتھوں کے حوالے نہ کریں اور ان کے مسائل کا حل فراہم کریں۔ یہ سب کرنے کے بعد وہ اللہ تعالیٰ سے امید رکھیں کہ وہ ان کے مسائل کو حل کرے گا اور ان کی حاجات کو پورا کرے گا۔

خیرخواہی

اسلام کی امتیازی خصوصیات میں سے ایک اہم ترین خصوصیت 'خیر خواہی' ہے۔ ایک موقع پر نبی کریم ﷺ نے تین مرتبہ فرمایا: اِنّ الدّینَ النّصیحۃُ (بے شک دین خیرخواہی ہے) صحابہ نے پوچھا: اے اللہ کے رسول ﷺ کس سے خیرخواہی؟ فرمایا: ''اللہ سے اور اُس کی کتاب سے اور اس کے رسول سے اور اہل ایمان کے ائمہ سے اور ان کے عام لوگوں سے''۔۱۰؎

عام لوگوں کو نصیحت کا مطلب یہ ہے کہ ان کو ان امور کی طرف دعوت دی جائے جن میں ان کی مصلحت ہو اور دین کے کام میں ان کا تعاون کیا جائے، ناداروں کی مالی امداد کی جائے، مسلمانوں کے عیوب کی پردہ دری نہ کی جائے، انہیں ضرر سے بچایا جائے اور انہیں فائدہ پہنچانے کی کوشش کی جائے۔۱۱؎ اس حدیث میں جو بات کہی گئی ہے وہ بلا امتیاز معاشرے کے تمام افراد کے لیے ہے، مگر خصوصاً اس میں سرکاری مناصب کے حامل افراد کے لیے واضح ہدایت موجود ہے۔

مولانا گوہر رحمن اس حدیث کی تشریح میں لکھتے ہیں کہ ''اربابِ اختیار کی خیر خواہی اور ان کے ساتھ حسنِ تعلق یہ ہے کہ حق بات میں ان کی مدد کی جائے ، بھلائی اور نیکی میں ان کی اطاعت کی جائے ،غلطیوں اور غفلتوں پر ان کو متنبہ کیا جائے اور مسلمانوں کے حقوق کے تحفظ پر انہیں آمادہ کیا جائے، جب کہ عام مسلمانوں کی خیر خواہی اور ان کے ساتھ حسنِ تعلق یہ ہے کہ ان کو ضرر نہ پہنچایا جائے اور ان کی ضروریات پوری کی جائیں،حسد،بغض اور دھوکہ دہی سے اجتناب کیا جائے۔۱۲؎

کسبِ حلال

اس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں کہ اسلام اپنے ماننے والے ہر شخص سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ حلال رزق کمائے۔تاہم اس کا سب سے زیادہ اطلاق سرکاری اہل کاروں اور ملازمین پر ہوتا ہے۔کیوں کہ ان کے پاس حرام کمانے کے مواقع بہت زیادہ ہوتے ہیں۔ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہے:

لاتزول قدماعبدٍیوم القیامةحتی یُسئل عن عمره فیما أفناه وعن علمه فیم فعل وعن ماله من أین اکتسبه وفیم أنفقه وعن جسمه فیم أبلاه۔۱۳؎

قیامت والے دن کسی بھی انسان کے قدم اس وقت تک نہیں ہل سکیں گے جب تک اُس سے اُس کی عمر کے بارے میں پوچھا نہ لیا جائے کہ اُس نے اُسے کہاں گزارا؟ اور اُس کے علم کے بارے میں کہ اِس کا کیا کِیا؟ اور اُس کے مال کے بارے میں کہ کہاں سے کمایا اور کہاں خرچ کیا؟ اور اُس کے جسم کے بارے میں کہ کہاں استعمال کیا؟

قیامت کے روز دیگر افراد کی طرح سرکاری ملازمین کو بھی بارگاہِ خداوندی میں اس بات کا جوب دینا ہوگا کہ انہوں نے اپنے منصب کا استعمال کر کے جو مال کمایا ہے وہ حلال بھی تھا یا نہیں؟ اپنی عمر کہاں گزاری؟ جو ذمے داریاں ان پر ڈالی گئی تھیں ان سے کس حد تک عہدہ برا ہوئے؟

رعایت و تخفیف

اسلام نے ہمیشہ آسانی، نرمی، رعایت اور تخفیف کا درس دیا ہے۔ یہ ہدایت اربابِ اختیار کے لیے بھی ہے۔ اس لیے کہ ان کے پاس اختیار ہوتا ہے۔ وہ چاہیں تو سختی کر سکتے ہیں اور چاہیں تو معاملے میں نرمی سے بھی کام لے سکتے ہیں۔ اس سلسلے میں آپؐ نے بڑی وضاحت سے ارشاد فرمایا ہے:

اللھم من ولی من أمر أمتی شیئاً فشقّ علیھم فاشقق علیه ومن ولی من أمر أمتی شیئاً فرفق علیھم فارفق به۔ ۱۴ ؎

اے اللہ! جس کو میری امت میں کسی کام کا اختیار ملے اور وہ لوگوں پر سختی کرے، تو بھی اس پر سختی کر، اور جس کو میری امت میں کسی کام کا اختیار ملے اور وہ لوگوں پر نرمی کرے، تو بھی اس پر نرمی کر۔

سرکاری ملازمین، جو اختیارات کے مالک ہوتے ہیں، اگر انہوں نے ان اختیارات کا درست استعمال کیا اور عوام کو آسانیاں فراہم کیں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعا ان کی نجات کا باعث بنے گی اور اللہ تعالیٰ ان پر نرمی کرے گا اور اگر انہوں نے ایسا نہ کیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کے بہ موجب ان کو اس سے بھی زیادہ سختی کا سامنا کرنا پڑے گا۔

من ولی من أمر المسلمین شیئاً، فاحتجب عن ضعفة المسلمین، احتجب اللہ عنه یوم القیامة۔ ۱۵ ؎

جس کو مسلمانوں کے کسی کام کا اختیار ملے اور وہ کم زور مسلمانوں سے اعراض کرے، اللہ قیامت کے دن اس سے اعراض کرے گا۔

سرکاری اداروں میں یہ بات بہت عام ہے کہ سرکاری ملازمین صرف انہی لوگوں کا خیال رکھتے ہیں جو ان سے زیادہ صاحبِ اختیار ہوں، یا پھر اُن سے اِن کو کوئی فائدہ ہو۔ جن لوگوں سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا ان سے عموماً اعراض کیا جاتا ہے، ان کو دھتکارا جاتا ہے، ان کے مسائل حل کیے جاتے ہیں نہ ان کی رہ نمائی کی جاتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بڑی وضاحت سے فرمایا ہے کہ ایسا کرنے والوں سے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اعراض کرے گا۔ اس سے زیادہ بدبختی کسی انسان کے لیے اور کیا ہو سکتی ہے۔

خوش اخلاقی

انسان کا المیہ ہے کہ جب اس کے پاس اختیار آتا ہے تو بسا اوقات اس کا غلط استعمال کرنے لگتا ہے، بلکہ کبھی کبھار اخلاقی حدوں سے بھی تجاوز کر جاتا ہے۔ اسلام خوش اخلاقی پر بہت زور دیتا ہے۔ سرکاری منصب داروں کے پاس اس کے مواقع اوروں کے مقابلے میں کچھ زیادہ ہی ہوتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے اس سلسلے میں نہ صرف اپنے فرمودات سے بلکہ اپنے طرزِ عمل سے بھی رہنمائی فرمائی ہے، آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

انّ من شرّ النّاسِ من ترکهُ النّاسُ أو ودعهُ النّاسُ اتّقاءفُحشهِ۔۱۶؎ — لوگوں میں بدترین شخص وہ ہے جس کی بدکلامی کی وجہ سے لوگ اسے چھوڑ دیں۔

اکثر دیکھنے میں آتا ہے کہ لوگ سرکاری ملازمین کی بدکلامی اور بداخلاقی کی شکایت کرتے ہیں۔ ان کا معاملہ عام لوگوں سے مختلف ہوتا ہے۔ اگر کسی انسان سے شکایت ہوتو اس سے قطع تعلق کیا جا سکتا ہے، کسی دکان دار سے شکایت ہوتو دوسری دکان جایا جا سکتا ہے، لیکن سرکاری ملازمین کے معاملے میں اکثر یہ ممکن نہیں ہوتا۔ لوگوں کو بار بار ان ہی سے واسطہ پڑتا ہے۔ اس صورت میں ان ملازمین کی بداخلاقی کافی مسائل پیدا کرتی ہے۔

رشوت خوری سے اجتناب

رشوت سرکاری محکموں کا ناسور بن گئی ہے۔ اس لعنت نے سارے سرکاری ڈھانچے، اس کے نظام اور اس کی کارکردگی کو بری طرح متاثر کیا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے جہاں معاشرے کی دیگر برائیوں کی نشان دہی کی ہے وہیں رشوت کی واضح الفاظ میں مذمت کی ہے، رشوت خوری میں ملوث افراد کی حوصلہ شکنی فرمائی اور ان پر لعنت بھیجی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمروؓ بیان کرتے ہیں:

لعنَ رسولُ اللهِ ﷺ الرّاشي والمُرتشي۔۱۷؎ — رسول اللہ ﷺ نے رشوت لینے والے اور رشوت دینے والے پر لعنت بھیجی ہے۔

اس سلسلے میں عموماً یہ بھی دیکھنے میں آیا ہے کہ سرکاری ملازمین کو ایسے تحفے تحائف دیے جاتے ہیں جن کا مقصد صرف اپنا کام کروانا ہوتا ہے۔ یہ بھی رشوت ہی کی ایک صورت ہے۔ حضرت عمر فاروقؓ کے دور میں جب ایک سرکاری اہل کار نے کہا کہ فلاں فلاں چیزیں مجھے تحفے میں ملی ہیں تو آپؓ نے فرمایا: ''گھر جا کر بیٹھو اور پھر دیکھو کہ تمھیں کتنے تحفے ملتے ہیں''۔

مناصب اور اہلیت

مختلف معاملات کو احسن طریقے سے چلانے اور عوام کو سہولت فراہم کرنے کے لیے حکومت مختلف مناصب قائم کرتی ہے۔ ضروری ہے کہ ان مناصب پر اہل لوگوں کو فائز کیا جائے۔ اگر ان پر ایسے لوگوں کو متعین کر دیا جائے جو ان کے اہل نہ ہوں تو فساد اور انارکی کا پیدا ہونا لازمی ہے۔ قرآنِ کریم اور احادیثِ نبوی میں اہلیت کے معاملے میں بڑے واضح احکام دیے گئے ہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰۤی اَهْلِهَا۔ (النسائ: ۵۸)	اللہ تعالیٰ تمھیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں ان کے اہل لوگوں کو ادا کرو۔

امام طبریؒ فرماتے ہیں کہ ''اس آیت میں اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے اربابِ اختیار کو حکم دیتا ہے کہ وہ ہر اعتبار سے اپنی رعیت کے حقوق ادا کریں، ان پر ظلم نہ کریں، کسی معاملے میں ان میں تفریق نہ کریں، اہل لوگوں کے ہاتھ سے معاملات لے کر نا اہل لوگوں کے ہاتھ میں نہ دیں اور لوگوں کے درمیان عدل و انصاف سے فیصلے کریں۔ یہ اللہ کا حکم ہے جو اس نے اپنی کتاب میں نازل کیا ہے اور اپنے رسول ﷺ کی زبانی بیان کیا ہے۔ اگر اس کو ملحوظِ خاطر نہ رکھا تو یہ ظلم تصور کیا جائے گا''۔ ۱۸؎

امام قرطبیؒ اس آیت کی تفسیر میں بیان کرتے ہیں کہ ''یہ قرآن کی اہم ترین آیات میں سے ہے۔ یہ سارے دین اور شریعت کا احاطہ کرتی ہے۔ اس آیت میں مسلمانوں کے اربابِ اختیار کو خاص طور پر مخاطب کیا گیا ہے۔ اس کی روشنی میں ان پر لازم ہے

کہ وہ مال کی تقسیم، ظلم کے خاتمے اور فیصلوں میں عدل وانصاف سے کام لیں"۔۱۹؎

ابن کثیرؒ کے مطابق "اس آیت کے الفاظ وسیع المعانی ہیں۔ان میں اللہ عزّوجل کے حقوق کی ادائیگی بھی شامل ہے، جیسے روزہ، نماز، زکوٰۃ، کفارہ، نذر وغیرہ اور بندوں کے باہمی حقوق بھی شامل ہیں۔پس جو حق کو ادا نہ کرے گا اس کی پکڑ قیامت کے دن ہوگی اور قیامت کے دن ہر حق دار کو اس کا حق دلوایا جائے گا"۔۲۰؎

اس آیت کی تفسیر میں مفتی محمد شفیعؒ فرماتے ہیں: "اس سے معلوم ہوا ہے کہ حکومت کے عہدے اور منصب جتنے ہیں وہ سب اللہ کی امانتیں ہیں، جس کے امین وہ حکام اور افسر ہیں جن کے ہاتھ میں عزل ونصب کے اختیارات ہیں۔ ان کے لیے جائز نہیں کہ کوئی عہدہ کسی ایسے شخص کو سپرد کر دیں جو اپنی عملی یا علمی قابلیت کے اعتبار سے اس کا اہل نہیں، بلکہ اُن پر لازم ہے کہ ہر کام اور عہدے کے لیے اپنے دائرۂ حکومت میں اس کے مستحق کو تلاش کریں۔ پوری اہلیت والا سب شرائط کا جامع کوئی نہ ملے تو موجودہ لوگوں میں قابلیت اور امانت داری کے اعتبار سے جو سب سے زیادہ فائق ہو اس کو ترجیح دی جائے"۔۲۱؎

قرآنِ کریم کی طرح احادیثِ نبوی میں بھی اہلیت پر بہت زور دیا گیا ہے۔ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اذا ضیّعتِ الأمانةُ فانتظر السّاعةَ۔ (جس وقت امانت ضائع کردی جائے تو قیامت کا انتظار کرو)، پوچھا گیا کہ امانت کا ضائع کرنا کس طرح ہوگا؟ آپؐ نے فرمایا: اذا وُسِدَ الأمرُ الی غیرِ أھلہ فانتظر السّاعة ۲۲؎ (جب کام نااہل (لوگوں) کے سپرد کردیا جائے تو قیامت کا انتظار کرو)۔

حضرت ابوذرؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا: کیا آپؐ مجھے کوئی عہدہ نہیں دیں گے؟ آپؐ نے میرے کندھے پر ہاتھ مارا اور فرمایا:

یا أباذرٍّ انک ضعیفٌ وانھا امانةٌ وانھا یوم القیامةِ خزیٌ وندامةٌ، الاّ من أخذھا بحقّھا وأدّی الّذی علیہ فیھا۔۲۳؎

اے ابوذر! تم کم زور ہو اور یہ (عہدہ) امانت ہے۔ قیامت کے دن یہ باعثِ رسوائی و ندامت ہوگا، سوائے اس کے جو اس کا حق ادا کرے اور اس کے فرائض پورے کرے۔

کسی ذمہ داری کی طلب اور خواہش شریعت کی نظر میں پسندیدہ نہیں ہے۔
اب سوال یہ ہے کہ ان ذمہ داریوں پر افراد کا تعین کیسے ہو؟ یہاں صدرِ مملکت اور دوسرے سربراہوں کی ذمہ داری ابھر کر سامنے آتی ہے۔ ان پر واجب ہے کہ مملکت کے تمام کاموں کے لیے بہترین اور موزوں ترین اشخاص کا انتخاب کریں۔ ان کے لیے درست نہیں ہے کہ وہ رشتہ، دوستی، تعلقات یا پارٹی بندی کی وجہ سے اس میں کسی غیر نااہل کا انتخاب کریں۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

من استعمل عاملاً من المسلمین وھو یعلم ان فیھم اولیٰ بذلک منه و اعلم بکتاب اللہ وسنة نبیه فقد خان اللہ و رسوله و جمیع المسلمین۔ ۲۴

جس نے مسلمانوں کے کسی معاملے کا ذمہ دار ایک ایسے شخص کو بنایا جس سے زیادہ مناسب لوگ بھی پائے جاتے ہوں اور وہ اللہ کی کتاب اور اس کے نبی کی سنت کے زیادہ جاننے والے ہوں تو اس نے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور تمام مسلمانوں کے ساتھ خیانت کی۔

اہلِ مناصب کا احتساب

سرکاری مناصب کے معاملے میں اہلیت کے بعد اگلا مرحلہ احتساب کا ہے۔ اولاً کسی منصب پر تقرر میں اہلیت کے سلسلے میں انتہائی احتیاط کی ضرورت ہے۔ اس کے بعد جن لوگوں کا تقرر ہو ان کا احتساب اس سے بھی زیادہ ضروری ہے۔ مناصب اور احتساب کے درمیان بہت گہرا تعلق ہے۔ دراصل احتساب سرکاری مناصب کے درست استعمال کا ضامن ہے۔ اس کی ضرورت اسلامی ریاست کے روزِ آغاز ہی سے محسوس کر لی گئی تھی۔ جب تک ریاست مدینہ کی حدود تک محدود رہی اس وقت تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بنفسِ نفیس اس کام کو انجام دیا کرتے تھے۔ اس کے لیے آپؐ وقتاً فوقتاً بازار کا چکر لگاتے اور کوئی غلط کام دیکھتے تو فوراً متنبہ فرماتے اور اس کی اصلاح کرتے۔ ایک بار آپؐ بازار کے معاینہ کے لیے تشریف لے گئے۔ وہاں ایک صاحب گندم فروخت کر رہے تھے۔ آپؐ نے گندم کے ڈھیر میں دستِ مبارک ڈالا تو انگلیوں کو نمی محسوس ہوئی۔

آپؐ نے فرمایا: گندم والے! یہ کیا؟ ان صاحب نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! گندم رات کی بارش میں بھیگ گیا تھا۔ آپؐ نے فرمایا: اس گیلے گندم کو اوپر کیوں نہیں رکھا؟ آپؐ نے مزید فرمایا:

مَن غشَّ فلیس منّی۔۲۵؎ جس نے دھوکہ بازی کی وہ ہم میں سے نہیں۔

ایک موقعہ پر آپؐ نے ایک صاحب کو کوئی چیز تو لتے ہوئے دیکھا تو ارشاد فرمایا:

أَتَّزِنْ وأَرجِحْ۔۲۶؎ اچھی طرح تولو اور جھکتا ہوا تولو۔

جب اسلامی ریاست کی مدینہ سے باہر توسیع ہوگئی تو احتساب کے لیے مستقلاً افراد مقرر کر دیے گئے۔ چنانچہ مدینہ منورہ میں عمر فاروق ؓ اور مکہ مکرمہ میں سعید بن العاص ؓ کو محتسب مقرر کیا گیا۔ حضرت صدیقِ اکبرؓ کا دو سالہ مختصر دورِ حکومت شدید ہنگامی حالات میں گزرا۔ جنگوں، بغاوتوں اور شورشوں کو ہی فرو کرنے میں سارا وقت صرف ہوگیا۔ اس لیے ان کے دور کے نظامِ حسبہ کی تفصیلات نہیں ملتیں، لیکن چوں کہ وہ ہر معاملے میں انتہائی کوشش کرتے تھے کہ اس کا نظم اسی طرح چلائیں جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبارک زمانے میں چل رہا تھا، اس لیے قیاس کیا جا سکتا ہے کہ عہدِ نبوی میں جو اصحاب محتسب مقرر ہوئے تھے اور جو فرائض ان کے سپرد ہوئے تھے وہ عہدِ صدیقی میں بھی علیٰ حالہ باقی رہے ہوں گے، تاہم حضرت عمر فاروقؓ نے اس ادارے کو بہت ترقی دی اور جابجا محتسبین مقرر فرمائے۔ دارالخلافہ میں اس اہم فریضہ کو وہ بنفسِ نفیس انجام دیتے تھے۔ مشہور صحابی حضرت محمد بن مسلمہ انصاریؓ کو دورِ فاروقی میں ادارۂ احتساب اور 'ادارۃ النظر فی المظالم' کا انسپکٹر جنرل مقرر کیا گیا تھا۔ وہ مختلف علاقوں اور صوبوں کا دورہ کرتے رہتے تھے اور دوسرے علاقائی محتسبین کی نگرانی کے علاوہ خود بھی احتساب کا کام انجام دیتے تھے۔۲۷؎

سرکاری اہل کاروں کے احتساب کے سلسلے میں شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ لکھتے ہیں: ''امام کو اپنے نائبین اور معاونین سے غافل نہیں ہونا چاہیے، بلکہ اس کو چاہیے کہ وہ ہر روز، دو روز (یا مناسب وقفوں) کے بعد ان عہدہ داروں کے حالات اور کارکردگی کے بارے میں پوچھا کرے اور اپنی ذاتی رائے اور عقل و فراست کے ساتھ ان کی

مناسب رہ نمائی کرے۔ اِن کو بے لگام آزادی نہیں دینی چاہیے۔ اگر ان کی کارکردگی اور فرضِ منصبی کی ادائیگی واضح طور پر اچھی ہے تو ان سے خوش نودی کا اظہار کرکے ان کی قدر افزائی کرے، تاکہ وہ مزید بہتر کارکردگی دکھانے کی سعی کریں۔ اگر ان سے کوئی غلطی سرزد ہو جائے تو ان کی اصلاح کے لیے مؤثر زجر و توبیخ سے کام لے۔ اگر کسی شخص کے متعلق امام کو یہ خوف ہو کہ اعلیٰ منصب ملنے پر اس کا مزاج بگڑ جائے گا اور طوقِ اطاعت پھینک دے گا تو ایک بہتر تدبیر یہ ہے کہ اس سے متعلق محکمہ اور منصب کو مصلحت کے مطابق دو یا دو سے زیادہ اشخاص کے سپرد کر دے۔ اس طرح اس کی باغیانہ کیفیت اور مزاج کی شدت ٹھنڈی پڑ جائے گی'۔ ۲۸۔

احساسِ ذمہ داری:

ہر منصب اس امر کا متقاضی ہے کہ اس سے متعلقہ فرائض کو ذمہ داری کے ساتھ ادا کیا جائے۔ اگر احساسِ ذمہ داری نہ ہوگا تو اس منصب سے مطلوبہ مقاصد کا حصول ممکن نہیں ہوگا اور نہ اس منصب کا حامل اس کا اہل سمجھا جائے گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

ألا کلکم راعٍ وکلکم مسئول عن رعیّته، فالامام الّذی علی النّاس راع وھو مسئول عن رعیّته۔ ۲۹۔

اچھی طرح جان لو کہ تم میں سے ہر ایک نگراں اور ذمہ دار ہے اور اس سے اس کی رعیت کے متعلق باز پرس کی جائے گی۔ جو حکم راں لوگوں پر حکومت کرتا ہے، وہ نگراں اور ذمہ دار ہے اور اس سے اس کی رعیت کے بارے میں پوچھا جائے گا۔

حکومت اور دیگر سرکاری مناصب کے تعلق سے نگراں کا مطلب یہ ہے کہ وہ شریعت کی حفاظت کرتا ہو، حدود قائم کرتا ہو، لوگوں کے درمیان عدل و انصاف سے کام لیتا ہو اور جو ذمہ داری اسے سونپی گئی ہے اسے احسن طریقے سے ادا کرتا ہو۔ اہلِ مناصب کی ذمہ داری ہے کہ وہ ایمان داری سے اپنے فرائض سرانجام دیں اور اظہارِ حق کا حق ادا کرنے میں اپنی حد تک کوئی کسر اٹھا نہ رکھیں، اس بات سے قطع نظر کہ کوئی ان کے کام کو پسند کرے یا نہ

کرے۔تمام افراد کی اصلاح ان کی ذمہ داری میں شامل نہیں ہے۔۳۰؎

احساسِ ذمہ داری کے حوالے سے حضرت عباد بن بشرؓ کا واقعہ مشہور ہے کہ انھیں ایک موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پہرہ دینے کی ذمہ داری دی۔وہ خشوع وخضوع کے ساتھ نماز میں مصروف ہو گئے۔ اسی دوران ان کو ایک تیر آ کر لگا اور جسم میں پیوست ہوگیا۔انھوں نے اس کی بالکل پروا نہیں کی اور نہ اس کے بعد آنے والے تیر کی پروا کی، اس لیے کہ ان کی بشریت اس وقت اپنے تمام احساسات کے ساتھ اپنے رب کی طرف ہمہ تن متوجہ اور اپنے خالق سے مناجات کی لذت میں مدہوش تھی۔ پھر جب ان کا احساس واپس لوٹا اور انھیں اپنے جسم میں تیر لگنے کی خبر ہوئی تو اس کی وجہ یہ نہیں تھی کہ انہیں زیادہ تکلیف کا احساس ہونے لگا تھا، بلکہ اس کا سبب یہ تھا کہ انھیں خیال ہوا کہ جو ذمہ داری انھیں سونپی گئی ہے، کہیں وہ ان کے مسلسل خاموش رہنے اور ان کی جان چلی جانے سے فوت نہ ہو جائے۔اسی احساس نے انھیں مجبور کیا کہ وہ جلدی سے نماز پوری کر کے اپنے ساتھی کو بیدار کر دیں، تاکہ گھاٹی کے ناکے کی حفاظت کی جو امانت ان کے سپرد تھی وہ اس کے حوالے کر دیں۔۳۱؎

سرکاری اہل کاروں کے لیے یہ احساس رکھنا لازمی ہے کہ مناصب اور ذرائع کو دنیاوی آرزوؤں کے حصول کے لیے ناجائز استعمال نہ کریں، بلکہ مفوّضہ ذمہ داریوں کو مذہبی، قومی اور اخلاقی فریضہ سمجھ کر ادا کریں۔

حواشی ومراجع

۱؎ غازی، محمود احمد، محاضراتِ سیرت، الفیصل ناشرانِ کتب لاہور، ۲۰۰۹ئ ص ۳۴۵

۲؎ نعمانی، علامہ شبلی، سیرت النبی، ادارہ اسلامیات لاہور، ۲۰۰۲ئ، ج ۲، ص ۴۰۸

۳؎ الجوزیہ، محمد بن ابوبکر ابن القیم، مختصر زاد المعاد فی ھدی خیر العباد، ترجمہ عبدالرزاق ملیح آبادی، اہل سنت پبلیشرز لاہور، ۲۰۰۱ئ ص ۵۷

۴؎ محاضرات سیرت، ص ۳۲۸

۵؎ المستدرک علی الصحیحین، ج ۳، ص ۶۶